جمیلہ شوکت

لغتِ فصحیٰ

(مؤیدین و مخالفین کے درمیان)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ حکیم زبانِ عربی میں نازل فرما کر اس زبان پر بے شمار احسانات فرمائے ہیں۔ لغتِ عربی، جو قبل از اسلام صرف جزیرہ عرب کے بعض علاقوں تک محدود تھی، اسلام کی اشاعت کے ساتھ دنیا کے اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والوں نے قرآن و سنت کو سمجھنے اور دینِ اسلام پر عمل کرنے کے لیے اس کی تحصیل و تعظیم کی، جس کی وجہ سے بقول محمد الحاج الصدوق لغتِ عربی مختصر سے عرصے میں علاقائی زبان سے عالمی زبان کی حیثیت اختیار کر گئی[۱]۔ یہ قرآنِ مجید ہی کا اعجاز ہے کہ اس نے اس زبان کو تغیراتِ زمانہ سے محفوظ و مصئون رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کی طراوت، حلاوت، زندگی اور جاذبیت میں سر مو فرق نہیں آیا۔ اہلِ علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآنِ حکیم ہی نے ہمیشہ لغتِ عربی کی حفاظت کی ہے اور آئندہ بھی قرآن ہی اس کو زندہ جاوید رکھے گا[۲]۔ یہ قرآن ہی کا فیض ہے کہ اس نے عربی زبان کے ذریعے دنیا کے مختلف علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا ہے۔ یہ زبان مسلمانوں کو ان کے دین سے وابستہ رکھنے کا ذریعہ ہے اس لیے اہلِ علم نے اس کی تحصیل کو لازمی قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

لغتِ عربی کا تعلق دین سے ہے اور اس کا جاننا واجب ہے کیونکہ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسولﷺ جس کا سمجھنا فرض ہے اس زبان کی معرفت کے بغیر ناممکن ہے[۳]۔

مسلمانوں کے درمیان وحدت و یگانگت کا اہم ذریعہ لغتِ فصحیٰ ہے جو تمام مسلمانوں کو قرآن و سنت

---

[۱] اللسان العربی۔ ص ۲۸۴۔ العدد السادس، جنوری ۱۹۶۹ء رباط۔

[۲] ایضاً، ص ۲۹۹، العدد السادس

[۳] اقتضاء الصراط المستقیم بحوالہ اللسان العربی، ص ۱۳۵، ۱۹۶۹/۶۸ء، العدد السادس

اور ماضی کے شان دار علمی ورثے سے وابستہ کیے ہوئے ہے۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے دینی جذبے کو کمزور کرنے کے لیے لغت فصحیٰ پر حملہ کیا تاکہ ان کا رشتہ قرآن و سنت سے کٹ جائے اور ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔ ان لوگوں نے علاقائی عامی زبانیں مروج کرنے کی تحریک چلائی اور لغت فصحیٰ میں "مزعومہ خرابیاں" بیان کیں۔ اس تحریک میں جو خطرناک عزائم مضمر ہیں سنجیدہ فکر مسلمانوں نے ان کو محسوس اور بے نقاب کیا۔ استاد خلیل عزبزی اس تجویز کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس تحریک کا مقصد لغتِ عربی کو مکمل طور پر ختم کرنا اور حال کا ماضی سے تعلق منقطع کرنا ہے۔ عامی زبان کی تشہیر کا مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کی باہمی افہام و تفہیم کے ذریعے یعنی لغت فصحیٰ کو ختم کر دیا جائے کیونکہ ایک علاقے میں بولی جانے والی عامی زبان دوسرے علاقے میں بولی جانے والی زبان سے بہت مختلف ہے اسی لیے ایک مصری کے لیے ایک شامی کی عامی زبان کا سمجھنا نہایت مشکل ہے۔"[۴] (ترجمہ)

استاد عزالدین کہتے ہیں کہ "عامی زبانوں کی تشہیر کا مقصد مسلمانوں کو قرآن و سنت سمجھنے سے روکنا ہے کیونکہ لغتِ فصحیٰ کے بغیر قرآن و سنت کو سمجھنا ناممکن ہے۔ مخالفین نہیں چاہتے کہ اس کے ذریعے مسلمان دین کو سمجھیں اور دنیاوی و اخروی سعادتیں حاصل کریں۔"[۵]

مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں مرکز خلافت ترکی تھا۔ استعمار نے ترک مسلمانوں کو بہکایا اور کہا کہ ترکوں کی خوشحالی کا راز لغتِ ترکی کو عربی الفاظ سے پاک کرنے اور رومن رسم الخط اختیار کرنے میں ہے۔ ان کے خیال کی تائید بعض مسلمان اہلِ قلم نے بھی کی۔ جریدۃ "اقدام" کے مدیر احمد جودت نے مطالبہ کیا کہ ترکی زبان کو عربی الفاظ سے پاک کر دیا جائے[۶] دوسری طرف سلیم الفکر لوگوں نے اس مطالبہ میں مضمر مذموم مقاصد کو بے نقاب کیا لیکن بالآخر مصطفیٰ کمال نے ترقی و تعمیر کے پردے میں ترکی سے تمام اسلامی اقدار و شعائر ختم کر دیے اور عربی زبان کو ترک کر کے رومن رسم الخط اختیار کر لیا۔ ترکی سے وابستہ دیگر علاقوں میں بھی استعمار کی شہ پر اس تحریک نے سر اٹھایا اور عراقیوں، مصریوں، شامیوں سب نے کہنا شروع کر دیا کہ ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ لغت قرآنی ہے۔ لہٰذا ترقی کے لیے ضروری ہے کہ یہ تمام علاقے اپنی علاقائی

---

[۴] اللسان العربی - ص ۱۳۱ - العدد السادس ۱۹۶۹ء [۵] ایضاً - ص ۱۳۰ -

[۶] الاتجاهات الادبیه فی العالم العربی الحدیث: انیس مقدسی - ص ۱۲۳، بیروت ۱۹۶۳ء

زبان کی حفاظت کریں اور اُسے علمی و ادبی زبان بنائیں۔ بعض خصوصی اسباب کی بنا پر مصر اور لبنان میں اس تجویز کو خوب اچھالا گیا۔

استعمار نے یورپین ثقافت کے غلبہ کے لیے کبھی لغتِ عامیہ کی ترویج کی تجویز پیش کی اور کبھی سرکاری مدارس میں زبان انگریزی کو رائج کرنے پر زور دیا۔ اس تحریک کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہوا مصر میں اس تحریک کے قائدین BOURIANT، G. MASPERO، M، VELLERS اور SPITTA وغیرہ تھے۔ استعمار کے نقیب جریدہ "المقتطف" نے ان کی اس تجویز کو خوب اچھالا: سرولمور نے اس تجویز کو عام کرنے کے لیے کتاب " THE SPOKEN ARABIC IN EGYPT " لکھی۔ بعض رجائیت پسند مسلمانوں نے ان کی تجویز کی تائید کی اور اظہار خیال کا ذریعہ لغتِ عامیہ کو بنایا۔ مصر کے مشہور قانون دان عبدالعزیز فہمی پاشا[۷] نے عربی رسم الخط کے بجائے رومن رسم الخط اختیار کرنے پر زور دیا اور اس موضوع پر ایک رسالہ "فی اقتراح الحروف اللاتینیۃ بکتابۃ العربیۃ"۔ لکھا۔ انیسویں صدی کے آخر میں محمد عثمان جلال[۸] نے عامی زبان میں کتاب "العیون الیواقظ فی الامثال والمواعظ" لکھی۔ وہ اپنی مترجم روایات کے مجموعہ "الروایات المفیدۃ فی علم التراجیدۃ" کے مقدمہ میں لغتِ عامیہ کو اظہار خیال کا ذریعہ بنانے کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "میں نے لغتِ دارجہ کو اس لیے منتخب کیا کہ عوام و خواص دونوں کے لیے زیادہ قابلِ فہم اور اثر آفریں ہے۔"[۹]

یہ زمانہ جمال الدین افغانی[۱۰] اور محمد عبدہٗ[۱۱] کا تھا انھوں نے استعمار کی ان کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ تحریک "عقیر اللغت" کے نام سے اُٹھی۔ ایک انگریز ولیم ولکوکس نے لغتِ فصحیٰ پر مختلف پہلوؤں سے حملے کیے اور اسے ترقی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا۔ ولکوکس کی

۷؎ معجم المؤلفین : عمر رضا کحالہ ، ۵ : ۲۵۶

۸؎ محمد عثمان جلال، م ۱۸۹۸ء - الاعلام : زرکلی ، ۷ : ۱۴۵

۹؎ فی الادب الحدیث : عمر الاسوقی ، ۱ : ۱۳۹

۱۰؎ جمال الدین م ۱۸۹۷ء - الاعلام ، ۷ : ۳

۱۱؎ محمد عبدہٗ ، م ۱۹۰۵ء - الاعلام : ۷ : ۱۳۱

حمایت بعض مقامی اہل قلم نے بھی کی جن میں نمایاں قاسم امین[۱۲]، لطفی السید[۱۳]، سلامہ موسیٰ[۱۴] اور طٰہٰ حسین[۱۵] تھے۔ لطفی السید کہتا ہے کہ عامی زبان فصحیٰ سے کسی طرح کمتر نہیں بلکہ وہ اثر آفرینی میں فصحیٰ سے بہتر ہے[۱۶]۔ سلامہ موسیٰ نے ولکوکس، قاسم امین اور لطفی السید کی آرا کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ہماری ترقی کا راز عامی زبان اختیار کرنے میں ہے لہٰذا جب تک لوگ فصحیٰ کو ترک نہ کریں گے عربوں کی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا[۱۷]۔ پھر وہ کہتا ہے کہ فصیح زبان کے علمی و ادبی ذخائر کے استفادے سے عوام کی اکثریت محروم رہتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عامیہ کو علمی و ادبی زبان بنایا جائے[۱۸]۔ وہ لغتِ فصحیٰ کو "لغتِ مصطنعہ" اور عامیہ کو "لغتِ حیہ" کہتا ہے[۱۹]۔ سلامہ ہی کا قول ہے کہ لغتِ فصحیٰ وطنیت و قومیت کے تصور کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتی ہے اور اس متمدن دور میں فصحیٰ علمی و ادبی زبان بننے سے قاصر ہے[۲۰]۔ قاسم امین کا استدلال ہے کہ فصحیٰ کے سیکھنے میں بہت زیادہ وقت اور توانائی صرف ہوتی ہے اسی وجہ سے یورپ کے مقابلے میں ہم ترقی کی راہ پر بہت پیچھے ہیں[۲۱]۔ طٰہٰ حسین فصحیٰ کی عظمت دینی عقیدت کے طور پر تو ماننے کو تیار ہیں لیکن علمی حقیقت کے اعتبار سے اس کی برتری اور عظمت تسلیم کرنے میں انھیں تامل ہے[۲۲]۔

بعض مصری اہلِ قلم مثلاً محمد تیمور، محمود تیمور اور ہیکل وغیرہ نے عثمان جلال کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے زبانِ عامی میں افسانے و ڈرامے لکھے۔ انجیل وغیرہ کا بھی ترجمہ ہوا لیکن ایک مخصوص طبقہ کے علاوہ اس

---

۱۲ قاسم امین م ۱۹۰۸ء: الاعلام ۶ : ۱۹

۱۳ لطفی السید اپنے افکار کی وجہ سے آزاد خیال نئی نسل میں "استاذ الجیل" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۱۴ سلامہ موسیٰ م ۱۹۵۸ء : معجم المؤلفین ۱۳ : ۳۹۰

۱۵ ان کی دو کتابوں علیٰ ہامش السیرۃ اور مرآۃ الاسلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر کے آخری حصے میں ان میں سلامت روی اور توازن پیدا ہو گیا تھا۔ مرآۃ الاسلام میں وہ لغتِ فصیح کے زبردست حامی نظر آتے ہیں۔

۱۶ الیوم والغد، سلامہ موسیٰ، ص ۱۲ — مرآۃ الاسلام ۶۰ – ۶۲

۱۷ الیوم والغد ۱۲۷ ۱۸ ایضاً ۱۲۶ ۱۹ ایضاً ۱۲۸، ۱۲۹

۲۰ ایضاً ۱۲۱ ۲۱ ایضاً ۱۴۴

۲۲ طٰہٰ حسین — فی الادب الجاہلی ۱۳۱ — لغتِ فصحیٰ سے ان کا عناد "مستقبل الثقافۃ فی مصر" سے بھی ظاہر ہوتا ہے ۲۰۸، ۲۰۹

زبان میں لکھی گئی کتب کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ لکھنے والوں نے بھی اپنے علمی مقام کی حفاظت کے لیے اصل نام کے بجائے قلمی ناموں پر ہی اکتفا کیا[23] شوقی ضیف عامی زبان میں لکھنے کے رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: هذا الاتجاه لم ينجح في محيط الشعر والشعراء لأنه من جهة يفقدنا تراثنا القديم ويقطع كل صلة ونسب بين حاضرنا وماضينا ومن جهة ثانية يفصلنا عن لغة القرآن الكريم وأيضاً فانه يفصل الامة المصرية عن الامم العربية[24]

لغت عامیہ کی ترویج کی تحریک کا زبردست ردِعمل ہوا۔ فصحیٰ کے مؤیدین نے اس مخالفت کا تار و پود بکھیرا اور مغربی حضارت سے مرعوب ان اہلِ قلم کو مسکت جواب دیا۔ محمد مویلحی م ۱۹۳۰ء نے لغتِ فصحیٰ کی نشر و اشاعت و حفاظت کے لیے مصری ادبا کی ایک تنظیم قائم کی۔ ۱۹۰۷ء میں سعد زاغلول وزیرِ تعلیم ہوا تو شیخ علی یوسف صاحب "المؤید" اور محمود پاشا م ۱۹۴۲ء وغیرہ نے مدارس سے زبانِ انگریزی کو ختم کرنے کی قرار دادیں پیش کیں۔ اگرچہ فوری طور پر سعد زاغلول نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف علما نے اس معرکے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ علی یوسف م ۱۹۱۳ء، عبدالعزیز جاویش م ۱۹۲۹ء اور مصطفیٰ صادق رافعی م ۱۹۳۷ء نے فصحیٰ کی برتری ثابت کرنے کے لیے اپنی زبان و قلم کو وقف کر دیا۔ شعرا نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مصطفیٰ صادق رافعی کہتے ہیں کہ مسلمان باہم اختلافات کے باوجود قرآن و سنت کی زبان یعنی لغت عربی پر متحد و متفق ہیں[25] آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ اگر ہماری نئی پود میں سے کچھ مادیت پرست لغتِ فصحیٰ کو زک پہنچانے کی کوشش کریں گے تو ان کی مساعی بے ثمر رہے گی[26] محمد الغزالی رقمطراز ہیں کہ لُغتِ عامیہ بلند پایہ ادب کی ترجمان بننے کی اہل نہیں[27] عمر الاسوقی فصحیٰ کی عظمت کے معترف ہیں[28] شعرا نے بھی لُغت فصحیٰ کی

---

[23] في الأدب الحديث، ۱: ۱۴۳ — محمد عثمان جلال پورے نام کی بجائے م۔ ع۔ ج پر اکتفا کرتا ہے۔ اسی طرح ہیکل نے جب "زینب" ڈرامہ لکھا تو اصل نام کے بجائے بقلم مصری فلاح لکھا ہے۔

[24] شوقی ضیف — آداب العربي المعاصر: ص ۴۵

[25] مصطفیٰ صادق رافعی — تحت رأیت القرآن: ص ۴۶-۴۸-۶۲ [26] ایضاً، ص ۶۲-۶۳

[27] محمد الغزالی — استعمار، الاحقاد و اطماع، ص ۲۱۷

[28] عمر الاسوقی — في الأدب الحديث: ۱: ۱۴۲

عظمت و رفعت کے گیت گائے ہیں۔ عبدالحمید رافعی م ۱۹۳۲ء فصحیٰ کے مخالفین سے بابانگ دہل کہتے ہیں کہ وہ اپنی کوششوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کہ عربی مخدوم اور دوسری زبانیں خادم ہیں[۲۹]:

شاعر نیل حافظ ابراہیم[۳۰] فصحیٰ کے مخالفین کے الزامات کا ذکر کرتے ہوئے ایک نعت میں ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ایطربکم من جانب الغرب ناعب — ینادی بوادی فی ربیع حیاتی
وسعت کتاب اللہ لفظاً و غایۃ — وما ضقت عن آی بھا وعظات
فکیف اضیق الیوم عن وصف آلۃ — وتنسیق اسماء لمخترعات
انوا اھلھم بالمعجزات تفننا — فیالیتکم تأتون بالکلمات
انا البحر فی احشائہ الدر کامن — فھل سألوا الغواص عن صدفاتی
أری کل یوم بالجرائد مزلقا — من القبر یدنینی بغیر أناۃ
واسمع لکتاب فی مصر ضجۃ — فاعلم أن الصائحین نعاتی
أیھجرنی قومی۔ عفا اللہ عنھم — الی لغۃ لم تتصل برواۃ[۳۱]

قومی شاعر احمد شوقی[۳۲] بھی فصحیٰ کی عظمت کے قائل ہیں[۳۳]

۱۹۵۶ء میں بیشتر عرب علاقے استعمار کے تسلط سے بظاہر سیاسی طور پر آزاد ہو گئے لیکن حاکموں کی مغرب زدگی کی بدولت اس تحریک نے حکومت کی سرپرستی میں تعمیر و ترقی کے پردہ میں پھر سر اٹھایا۔ ۱۹۵۶ء میں دمشق میں عربی ممالک کے علمی و لغوی اداروں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں فصیح زبان کا تیا پانچہ کرنے کے لیے شامی مندوب عارف النکدی کے سوا سب نے عامی کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا قاہرہ کے مندوب احمد حسن الزیات نے مشورہ دیا کہ فصحیٰ کو عامیہ کے قریب لایا جائے۔ اردن کے نمائندے

۲۹ھ عمر الدسوقی: فی الأدب الحدیث — ۱: ۱۳۰

۳۰ھ حافظ ابراہیم، م ۱۹۳۲ء: الاعلام — ۶: ۳۰۴

۳۱ھ دیوان ابراہیم: مطبوعہ امیریہ، قاہرہ — ۱: ۲۴۲-۲۴۴

۳۲ھ احمد شوقی، م ۱۹۳۲ء، الاعلام — ۱: ۱۳۴ ۳۳ھ شوقیات۔ مطبع الاصلاح — ۲: ۱۹

نے تجویز پیش کی کہ فصحیٰ اور عامیہ کی بحث کو ختم کرکے ایک نئی فصیح زبان ایجاد کی جائے اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ تونس کے مندوب نے کہا کہ تمام عرب علاقوں کی علیحدہ معجم تالیف کی جائے جس میں فصحیٰ کے صرف ان الفاظ کو باقی رکھا جائے جو اس علاقے میں اس وقت تک اپنے اصل معنوں میں مستعمل ہیں۔ طٰہٰ حسین اور صفیہ ابراہیم مصطفیٰ نے کہا جب تک عربی زبان کے قواعد کو آسان نہ بنایا جائے گا فصحیٰ سے خطرہ درپیش رہے گا۔ طٰہٰ حسین کا موقف ہے کہ قدیم نحو و صرف اور بلاغت زمانہ ماضی کی یادگار ہیں۔ لہٰذا ان میں زمانے کی ترقی کے ساتھ تبدیلیاں کی جائیں ورنہ عامی کی ترویج کی اجازت دی جائے[۳۴] اپنے مذموم مقاصد کو چھپانے اور لوگوں کو خوش فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے فوراً کہتے ہیں کہ میں قدیم عربی کو ترک کرنے کی دعوت نہیں دے رہا ہوں[۳۵]

محمد حسین ذہبی ان مندوبین کی آرا کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ الفاظ کے فرق سے قطع نظر ان سب کا مقصدِ وحید عامیہ کی ترویج ہی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"لغت عامیہ کے مؤیدین کا مقصد ہے کہ ہمارا تعلق اسلام اور ہمارے ماضی سے منقطع ہو جائے اور بحیثیتِ قوم ہماری انفرادیت ختم ہو جائے تاکہ وہ جس سانچے میں ہمیں ڈھالنا چاہیں ہم اس میں ڈھل جائیں اور ان کے حاشیہ نشین بن جائیں[۳۶] (ترجمہ)

لبنان میں شعبہ تعلیم پر استعمار کا غلبہ ہونے کی بنا پر رسم الخط کی تبدیلی اور عامیہ کی ترویج کی تحریک وقتاً فوقتاً شدت کے ساتھ اٹھتی رہی۔ بعض مقامی اہلِ قلم نے استعمار کی تائید کی۔ سعید عقل نے عامیہ کی ترویج پر زور دیا اور خود بھی اسی زبان کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا۔ ماضی قریب میں بیروت کی امریکن یونیورسٹی کے استاد انیس فریحہ نے یہ تحریک فصحیٰ کو آسان بنانے کے پردے میں زور شور سے اٹھائی۔ مختلف اطراف سے اس تجویز پر زبردست اعتراضات کیے گئے۔ وہ اس کتاب "تبسیط قواعد العربیہ و تبویبھا علی اساس منطقی جدید" میں کہتا ہے کہ ہم لوگوں کے لیے سہولت فراہم کرتے ہیں اور لوگ ہم پر دین سے خروج کا الزام لگاتے ہیں[۳۷] ڈاکٹر فریحہ کا زبان عربی اور اس کے بولنے والوں سے کینہ اور

۳۴ھ حصوننا مهددة من داخلها، ص ۲۴۵ ۔ ۳۵ھ ایضاً ۔ ۳۶ھ ایضاً، ۱۵۰

۳۷ھ مصطفیٰ خالدی — التبشیر والاستعمار، ص ۲۲۶

مذموم تبشیری مقاصد کی تکمیل کا اندازہ اس کی دو کتابوں "محاضرات فی اللہجات واسلوب دراستہا" اور "نحو عربیہ میسرۃ" سے ہوجاتا ہے۔ فریحہ کی کتب پر طائرانہ نظر ڈالنے سے ہی یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا قرآن سے تعلق ختم کرنا چاہتا ہے اور لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ قرآن محض عبادات کا مجموعہ ہے جس کا حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں سے کوئی تعلق نہیں۔ فریحہ عربی لغت کے مؤلفین ابن عربی اور فیروز آبادی پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ صرف و نحو کے قواعد مرتب کرنے والوں سے شاکی ہے کہ انھوں نے عربی کو قواعد و ضوابط میں بند کر دیا ہے[۱۳۸] وہ چاہتا ہے کہ زبان عربی کو جس سانچے میں وہ ڈھالنا چاہے بآسانی ڈھل جائے[۱۳۹] سنجیدہ فکر اہل قلم نے اس تجویز کا سختی سے نوٹس لیا۔ محمد حسین قواعد صرف و نحو کی تبدیلی کے عواقب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"اگر ہم ان اصول و ضوابط کو ختم کر دیں جنھوں نے ماضی میں ہماری زبان کی حفاظت کی ہے تو ہر آنے والا دن ماضی سے ہمارا تعلق ختم کرتا جائے گا اور ایک شامی اہل المغرب کے درمیان وہی تضاد پیدا ہوجائے گا جو اندلسی اور اطالوی نژاد میں ہے۔ نیز عربی زبان قرونِ اولیٰ سے بالکل مختلف ہوجائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم قرآن کے فہم اور ماضی کے ورثے سے استفادہ کے قابل نہ رہیں گے۔ آج عربوں کی وحدت کے لیے ادب اور سیاست اور قومیت کی بنیاد پر جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کی حیثیت ہوائی قلعے تعمیر کرنے سے زیادہ کچھ نہیں"[۱۴۰] (ترجمہ)

عمر فروخ کہتے ہیں۔ ہم ان قواعد و ضوابط مدون کرنے والوں کے شکر گزار ہیں کیونکہ ان کی کوششوں کے نتیجے میں ہم اپنے قدیم ورثے سے مستفید ہو سکتے ہیں[۱۴۱]

محمد حسین کہتے ہیں کہ عامیہ کی شدید مخالفت کے باوجود اس کی ترویج کے لیے کوشش کرنے والے بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ جب کبھی وہ اپنے مذموم مقاصد کی تشہیر کے لیے سازگار فضا پاتے ہیں تو پوری قوت کے ساتھ سر اٹھاتے ہیں اور اگر فضا ان کے حق میں نہ ہو تو بظاہر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

---

۱۳۸ نحو عربیہ میسرۃ، ص ۲۲ بحوالہ التبشیر والاستعمار، ص ۲۲۷

۱۳۹ ایضاً، ص ۱۴۱ ۱۹۴ ایضاً، ص ۲۲۸

۱۴۰ حصوننا مهددة من داخلها، ص ۲۲۳-۲۲۴ ۱۴۱ التبشیر والاستعمار، ص ۲۲۹

وہ کہتے ہیں :

"عامیہ کے مؤیدین ان جراثیم کے مانند ہیں جو جسم میں قوت مدافعت پاکر چھپ جاتے ہیں اور مریض کو یقین ہوجاتا ہے کہ وہ تندرست ہوگیا ہے لیکن درحقیقت جراثیم جسم میں موجود ہوتے ہیں اور موقعہ پاکر پھر ظاہر ہوجاتے ہیں اور حملہ آور ہوتے ہیں [۴۲]

شوقی ضیف اس تحریک کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لغت کو یہ خطرہ ہماری اپنی کمزوری کی وجہ سے پیش آیا ہے لیکن یہ ناواقف اور نادان اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکتے [۴۳]

سید رشید رضا استعمار کے عزائم کو بھانپ کر مسلمانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ عصر حاضر میں عربی زبان کی حفاظت کا فریضہ ان پر دوچند عائد ہوگیا ہے [۴۴]

غرضیکہ استعمار اور ان کے کارندوں نے عامیہ کی ترویج کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور فصحیٰ کو ختم کرنے کے لیے کوئی حربہ آزمانے سے نہ چھوڑا اس کے باوجود الحمداللہ فصیح زبان اپنی پوری آب وتاب اور رعنائیوں کے ساتھ ایک زندہ علمی وادبی اور دینی زبان کے طور پر اطراف عالم میں مروج ہے اور انشاءاللہ رہے گی۔ محمد حسین کہتے ہیں کہ فصحیٰ کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے اور یہ شرپسند اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکیں گے۔ [۴۵]

---

[۴۲] حصوننا مهددة ، ص ۲۵۰ — [۴۳] ادب العربی المعاصر فی مصر ، ۴۵

[۴۴] تفسیر المنار - ۹ ، ۳۱۳ — [۴۵] حصوننا مهددة من داخلها ، ۲۵۲

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

کی

مطبوعات خرید کر ادارہ کی سرپرستی فرمائیے تاکہ اور زیادہ بہتر کام ہوسکے۔